شمارہ نمبر
617

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

(حصہ دوم)

مثالی مجلّہ

ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ (رجسٹرڈ)
چہلیک کچہری روڈ، ملتان۔فون: 4549675

رجسٹرڈ نمبر
M-23

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

حافظ افروغ حسن

(حصہ دوم)

حضرت سیدہ خدیجہؓ جو پندرہ سال سے ایک وفا شعار رفیقہ حیات کی حیثیت سے آپ ﷺ کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھیں اور اس وقت اُن کی عمر تقریباً 55 سال تھی۔ وہ حضور ﷺ کی عادات، ذہنی کیفیات، قلبی واردات واحساسات اور سیرت کی بلندی و رفعت سے بخوبی واقف تھیں، غارِ حرا میں پیش آنے والے واقعات سن کر فوراً یقین کر لیتی ہیں کہ آپ ﷺ پر اللہ کا وہی فرشتہ وحی لے کر آیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا اور ان کا یقین مضبوط ہو جاتا ہے جب ان کا چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بھی اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے۔

اللہ کی رحمت اور تائید اپنے پیارے نبی ﷺ کے شامل حال تھیں۔ خوف و حیرت کی بحرانی کیفیت چند لمحوں بعد سکون و اطمینان اور عزم و ہمت کی فکر انگیز اور ولولہ خیز صورت اختیار کر لیتی ہے۔ نبوت کے منصب پر سرفراز ہوتے ہی آپ ﷺ کے ذہن سے تمام بوجھ اتر گیا اور آپ ﷺ پوری طرح مطمئن ہو گئے کہ اس ذریعے سے آپ ﷺ نہ صرف عرب بلکہ پوری نسل انسانی کو ان خرابیوں سے نکال سکتے ہیں جن میں اس وقت عرب سے باہر کی بھی ساری دنیا مبتلا اور گرفتار ہے۔

تمام مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ جس خوش نصیب ہستی کو سب سے پہلے حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، وہ ہم تمام مسلمانوں کی باعظمت ماں سیدہ طاہرہ خدیجہ الکبریٰؓ ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حق و راستی سے محبت آپؓ کی فطرت صالحہ کا جزو لاینفک تھی۔ یہ آپ کی بلند ہمتی، عالی حوصلگی اور حق و انصاف کی خاطر ہر قسم کے خطرات کو

برداشت کرنے کی جرأت کا برملا اعلان تھا۔ اپنے ذاتی مشاہدات ومعلومات اور ورقہ بن نوفل کی وضاحت کی بنا پر آپؓ کو پوری طرح احساس تھا کہ اس راہ پر قدم رکھنا وادی خارزار میں اُترنے کے مترادف ہے اور روحید کی دعوت پر لبیک کہنا پورے جاہلی معاشرے کو دشمنی اور عداوت کی دعوت دینا ہے مگر اس ہوشمند عظیم خاتون نے جو پیکر مہر و وفا اور مجسمہ صدق و وفا تھی، ایک ایسے انقلابی اور تاریخ ساز اقدام کا فیصلہ کرلیا جس پر قیامت تک پوری نسل انسانی رشک ہی نہیں بلکہ فخر کرتی رہے گی۔ سیدہ خدیجہؓ کے اسی جرأت مندانہ اقدام نے طبقہ نسواں کے عزوشرف میں وہ چار چاند لگا دیئے جن کی نورانی کرنیں اس طبقہ کی حرمت ووقار اور عزت واحترام کو تا ابد درخشندہ و تابندہ بنائے رکھیں گی۔ اس مقدس ومحترم روحانی ماں کا اس امت کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں پر کتنا مہم بالشان احسان ہے جس کا کچھ بدلہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ انؓ کی پاک سیرت کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔

کتنا پیارا تھا اللہ کے رسول ﷺ کا وہ مبارک اور مقدس گھر جس پر ہر وقت اللہ کی نعمتوں اور برکتوں کی بارش ہوتی تھی، جہاں ہر لمحہ انوار وتجلیات الٰہی کی سہانی سہانی شعاعیں ضیا پاش رہتی تھیں۔ کیوں نہ ہو، یہ گھر سیدہ خدیجہؓ کا بھی تھا جنھوں نے لطف وکرم، داد ودہش، انسانی ہمدردی و خیر خواہی، حق پسندی وحق دوستی اور بےلوثی اور بےغرضی کی ایسی بےنظیر مثالیں قائم کیں جن کی بنا پر بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ سیدہ محترمہؓ نے اپنی طبیعت ومزاج، اپنے ذوق ورجحان اور اپنے اخلاق و عادات کو اپنے شوہرؐ، جو ان کے آقا و مولا بھی ہیں، کی سیرت کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ انؐ کی پسند کو اپنی پسند اور انؐ کی ناپسند کو اپنی ناپسند قرار دینا اپنا شعار بنا لیا تھا۔ سیدہ خدیجہؓ کی شخصیت و سیرت کا یہی زریں پہلو ہے جس نے انہیںؓ عزت وعظمت کے آسمان پر آفتاب نصف النہار بنا دیا۔

طبری، امام احمد، ابن ماجہ اور طبرانی نے زیدؓ بن حارثہ یہ یہ روایت نقل کی ہے کہ توحید کے اقرار اور بتوں سے برأت کے بعد اسلامی شریعت میں جو چیز سب سے پہلے فرض کی گئی وہ نماز ہے۔ پہلی وحی کے نزول کے دوسرے روز حضرت جبرائیل نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ کو اپنے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ پھر حضور ﷺ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے

اس کا ذکر کیا۔ وہ سن کر خوشی کے مارے مدہوش ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے انہیںؓ کو وضو کروایا اور حضرت جبرائیل کے طریقے کے مطابق انہیںؓ کو نماز پڑھائی۔

نماز کی ادائیگی کا یہ اسلامی طریقہ عبادت کے مروجہ طریقوں سے بالکل مختلف تھا، اس لئے آپ ﷺ، حضرت خدیجہؓ اور حلقہ اسلام میں داخل ہونے والے مسلمان ایسی خفیہ جگہ پر نماز پڑھتے رہے جو عام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتی تھی۔ صورت حال کی وضاحت کے لئے حضرت عفیف کندیؓ کا وہ بیان کافی ہے جسے حافظ ابن عبدالبر اور علامہ ابن جریر طبری نے نقل کیا ہے:

''میں اپنے کاروبار کے سلسلے میں ایک دفعہ مکہ آیا اور اپنے پرانے دوست حضرت عباسؓ کے ہاں ٹھہرا۔ حج کے دن تھے۔ منیٰ کے میدان کے قریب میں نے دیکھا کہ ایک شاندار اور باوقار مرد آیا اور وضو کر کے نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اور وضو کر کے اس کے پیچھے نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ پھر ایک لڑکا آیا جو ابھی نوعمر تھا۔ وہ پہلے شخص کے پہلو میں نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ ان تینوں نے نماز پڑھی اور چلے گئے۔ میں نے عباسؓ سے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں انقلاب آنے والا ہے۔ عباسؓ نے کہا ہاں، تم جانتے ہو یہ تینوں کون ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ عباسؓ نے کہا وہ شاندار نوجوان میرا بھتیجا محمدؐ بن عبداللہ تھا، لڑکا ابوطالب کا بیٹا علیؓ تھا اور وہ عورت جس نے دونوں کے پیچھے نماز پڑھی وہ میرے بھتیجے محمد ﷺ کی بیوی خدیجہؓ بن خویلد تھی۔ میرے بھتیجے کا دعویٰ ہے کہ اس کا دین الہامی ہے اور ہر کام اللہ کی ہدایت کے مطابق کرتا ہے لیکن ابھی تک ان تینوں کے سوا اس دنیا کا کوئی پیرو میرے علم میں نہیں۔''

آنحضور ﷺ نے دین حق کی دعوت و اشاعت کا کام تدریج کے فطری اصولوں کے مطابق بڑی تندہی اور مستعدی سے شروع کر دیا۔ ابتدا میں آپ ﷺ نے خفیہ طور پر دعوت پھیلانے کا منصوبہ وضع کیا اور تین سال تک انتہائی اعتماد کے قریبی دوستوں میں کام کرتے رہے۔ اس مہم میں ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کی پر جوش اعانت اور باوقار رفاقت آپ ﷺ کو برابر حاصل رہی۔ چنانچہ تین برس کی شبانہ روز محنت اور جدوجہد کے نتیجے میں جن سعید الفطرت اور خوش قسمت انسانوں کو اصلاح انسانیت کی اس عہد ساز تحریک کا ہراول دستہ بننے کی سعادت نصیب ہوئی

''سیرت سرورِ عالم ﷺ کے مصنف سید مودودیؒ کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد 133 تھی، ان میں 27 کا تعلق طبقہ نسواں سے تھا۔

نبوت کے ابتدائی تین سال گزرنے کے بعد حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا:

''اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو اللہ سے ڈراؤ۔'' (شعراء)

آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دعوت کا انتظام کرنے کے لئے کہا جس میں قبیلہ بنو ہاشم کے سبھی مردوں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ ابن اثیر اور بلاذری کی روایت کے مطابق اس میں 45 افراد شریک ہوئے۔ دعوت کا یہ سارا انتظام سیدہ خدیجہؓ کے مکان پر ہی ہوا اور شرکا کی خاطر مدارات گوشت اور دودھ سے کی گئی جو اس دور کی سب سے اعلیٰ اور عمدہ خوراک تھی۔ کھانے سے فراغت کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا:

''اے اولادِ عبدالمطلب! اے عباس، اے صفیہ، اے فاطمہ! تم لوگ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ کیونکہ میں اللہ کی پکڑ سے تم کو بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا، البتہ میرے مال میں سے تم جو چاہو مانگ سکتے ہو۔ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کے لئے کافی ہے۔ یہ بھاری ذمے داری اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟''

حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا: ''میں آشوب چشم کی تکلیف میں مبتلا ہوں اور میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میں سب سے کم عمر ہوں، تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔''

آپ ﷺ کے چچا ابوطالب نے فرمایا:

''میں اپنا آبائی دین چھوڑنے کے لئے تیار نہیں مگر تمہیں جس کام کا حکم دیا گیا ہے، اسے انجام دو۔ خدا کی قسم! جب تک میری جان میں جان ہے میں تمہاری اعانت اور حفاظت کرتا رہوں گا۔''

آپ ﷺ کے ایک اور چچا ابولہب بولا:

''اے محمدؐ! میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو اپنے خاندان والوں پر اس سے زیادہ سخت آفت لایا ہو جو تم لے آئے ہو۔ اگر تم اس پر قائم رہے جو تم کہہ رہے ہو تو تمہارے خاندان کے لوگوں کا یہ حق ہے کہ وہ تمہیں روکیں اور تمہارا ہاتھ پکڑیں اس سے پہلے کہ قریش کے دوسرے

خاندان ٹوٹ پڑیں اور عرب ان کی مدد کریں۔''

دعوت توحید کے خصوصی دور سے عمومی دور میں داخل ہونے کے پہلے ہی موقع پر اہل قریش کے اس دعوت کے متعلق مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آ گئے۔ ابولہب سرداران قریش اور رؤسائے مکہ کے اس با اثر اور صاحب طاقت جتھے کی نمائندگی کر رہا تھا جو خالص توحید، رسالت اور آخرت کی دعوت کو اپنے آبائی مشرکانہ عقائد و رسوم پر ایک کاری ضرب تصور کرتا تھا اور وہ دیکھ رہا تھا کہ اس جاہلانہ نظام سے ان کے جو سیاسی، تمدنی، طبقاتی اور اقتصادی مفادات وابستہ ہیں، ان کی ساری عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔ اس نے دعوت حق کا راستہ پوری قوت کے ساتھ روکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

حق و باطل کی یہ کشمکش کچھ اس انداز سے شروع ہوئی کہ ایک طرف ظلم و جور اور جبر و تشدد کی وہ لرزہ خیز مثالیں قائم ہو گئیں جن کی نظیر تاریخ انسانی میں کم ہی ملے گی اور دوسری طرف نشہ توحید کے متوالوں نے صبر و ضبط، استقامت و عزیمت اور فداکاری و جان سپاری کی وہ حیران کن اور حوصلہ افزا داستانیں تاریخ کے صفحات پر رقم کیں جو ہر دور کے بے بسوں، بے کسوں اور بے نواؤں کو حوصلہ، قوت اور زندگی عطا کرتی رہیں گی۔

باطل راستوں کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہادی عالم اور راہنمائے انسانیت محمد ﷺ کی نہایت پاکیزہ سیرت اور باوقار شخصیت تھی۔ آپ ﷺ نے مخالفین کے سامنے برملا اعلان کیا:

''میں نے تمہارے اندر اس سے پہلے زندگی کا ایک حصہ گزارا ہے۔ پھر تم عقل سے کیوں کام نہیں لیتے؟''

آپ ﷺ نے اپنے دعوے میں اپنی جو زندگی پیش کی، اس میں کاروباری، تجارتی، معاشرتی اور سیاسی مشاغل کے ساتھ آپؐ کی نجی، خاندانی اور خانگی مصروفیات اور معاملات بھی شامل تھے۔ آپؐ کی خانگی اور گھریلو زندگی میں ذرا بھی ناہمواری ہوتی اور گھر کے معاملات میں ناسازگاری کی ذرا سی بھی رمق ہوتی تو مخالفین، جن میں آپ ﷺ کے قریب ترین رشتے دار اور نزدیک ترین پڑوسی بھی شامل تھے برملا کہتے:

''اے محمد (ﷺ) تم پورے معاشرے، پورے ملک عرب بلکہ پوری دنیا کی اصلاح و ہدایت

کا دعویٰ لے کر اٹھے ہو، پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ اگر تم اپنے گھر کے چند آدمیوں کی اصلاح بھی نہیں کر سکے تو پوری دنیا کی اصلاح کے لئے کیا کر پاؤ گے؟''

روایات اور سیرت کا پورا ریکارڈ اس امر پر شاہد ہے کہ ذلیل سے ذلیل مخالف کو بھی مکے میں آپؐ کی خانگی اور ازدواجی زندگی کے کسی پہلو سے متعلق کوئی بات کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ ام المومنین سیدہ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰؓ کی بے مثل اخلاقی عظمت و برتری، امور خانہ داری میں بے پناہ مہارت اور تربیت اولاد کے سلسلے میں بے پایاں فراست و تدبر کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ دنیا کی اس عظیم ترین اسلامی تحریک کے قافلہ سالاروں پر اس عالی مرتبت ماں کا یہ ناقابل فراموش احسان ہے کہ انہوں نے اپنے ایثار و قربانی، صدق و صفا، اطاعت و خدمت اور صبر و رضا کے طفیل انہیں ایک ایسا اسلحہ فراہم کر دیا جس کے سامنے مخالفوں اور دشمنوں کے اسلحہ جات کے تمام انبار خانے ناکارہ ہو کر رہ گئے۔

مشرکانہ نظام کے سرپرستوں نے فدا کاران اسلام کی تعذیب اور ایذا رسانی کے لئے جور و ستم اور ظلم و تشدد کی جو بھٹّی دہکائی تھی اس کی حدت اور شدت روز بروز تیز ہوتی چلی گئی۔ کمزوروں اور بے نواؤں کا تو ذکر ہی کیا، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ جیسے با اثر اور با حیثیت اشخاص بھی مسلسل نشانہ ظلم و ستم بنتے رہے۔ حضرت خبابؓ، حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ، حضرت سمیہؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت ابوفکیہہؓ، حضرت لبینہؓ، حضرت نبیرہؓ، حضرت نہدیہؓ اور حضرت ام عبیسؓ جیسے غلاموں اور کنیزوں کو جس بیدردی اور بے رحمی سے مارا پیٹا جاتا اور انہیں تکلیف اور دکھ پہنچانے کے لئے جو نئے نئے طریقے ایجاد کئے جاتے اور ان کے چیخنے، بلبلانے اور تڑپنے پر ظالم جس طرح فرط مسرت سے قہقہے لگاتے اور رقص کرتے، اس دردناک منظر پر زمین بھی کانپ اٹھتی ہوگی اور آسمان خون کے آنسو روتا ہوگا لیکن یہ بدبخت اور شقی انسان جن کے سینوں میں دل کی بجائے پتھر نے جگہ لے لی تھی، اپنی ان انسانیت سوز حرکات پر نازاں و فرحاں تھے۔

مکے میں جہاں اللہ کا سب سے پہلا گھر تھا، خدائے واحد کا نام لینا اور اس کی عبادت کے لئے اپنی جبین نیاز کو سجدہ ریز کرنا سخت مشکل تھا تو رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ایمان و اسلام کے کچھ شیدائی حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے۔ مہاجرین کے اس پہلے قافلے میں گیارہ مرد

اور چار عورتیں تھیں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ نے دعوت ایمانی کو سب سے پہلے قبول کر کے جو قابل تقلید روشن مثال قائم کی تھی ان کی نسبی اور روحانی بیٹیوں نے اس دعوت ایمانی اور تحریک اسلامی کے ابتدائی دور کے بعد کے ہر دور میں ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ثابت کر دیا کہ اللہ کے دین کی حمایت ونصرت کے معاملے میں وہ کسی طرح بھی مردوں سے پیچھے نہیں۔ دین وایمان سے محبت رکھنے والوں کا یہ قافلہ ماہ رجب عام الفیل 45 یعنی بعثت کے پانچویں سال مکے سے حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔ اللہ کی تائید سے یہ لوگ بخیریت وہاں پہنچ گئے۔ قریش کو اللہ والوں کا یہ سکون و اطمینان کب گوارا تھا چنانچہ ان کو واپس لانے کی تدبیریں ہونے لگیں مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور قریش کے مشرکین کا جوش، غضب اور بھڑک اٹھا۔ خدائے بزرگ و برتر کا نام لینے والوں کے لئے مکے کی زمین اور بھی تنگ ہوگئی۔ آخر کار اپنے عقیدے اور دین کی آزادی برقرار رکھنے کے لئے بلا کشان وفا کی ایک اور جماعت بعثت کے چھٹے سال کے ابتدا میں اپنے گھر بار، کاروبار اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر حبشہ کی طرف روانہ ہوگئی۔ قریش نے اس ہجرت کو روکنے کی پوری کوشش کی۔ نکلنے والوں کو بہت تنگ کیا اور ان کے راستے میں سخت مشکلات پیدا کیں لیکن ابن سعد کی روایت کے مطابق 83 مرد اور 18 عورتیں حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے والوں کے اس گروہ میں سیدہ خدیجہؓ کے قبیلے بنی اسد کے بھی چار بلند ہمت افراد شامل تھے۔

اس ہجرت سے مکہ کے ہر گھر میں کہرام مچ گیا۔ قریش کا کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس کا چشم و چراغ اس ہجرت والوں میں شامل نہ ہو۔ کسی کا بیٹا گیا تو کسی کا داماد، کسی کی بیٹی گئی تو کسی کی بہن اور کسی کا بھائی۔ سرداران قریش اور مشہور دشمنان اسلام کے جگر گوشے دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ اس واقعے سے بعض لوگ تو حق دشمنی میں اور سخت ہوگئے اور بعض کے دلوں پر ایسا اثر ہوا کہ آخر کار وہ حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ اہل قریش کی حمیت جاہلیت اس قدر برافروختہ ہوئی کہ انہوں نے ایک دستاویز تیار کی جس میں اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کیا گیا کہ جب تک بنی ہاشم اور بنی مطلب، محمد ﷺ کو قتل کے لے ان کے حوالے نہیں کرتے، اس وقت تک ان

سے میل جول، بیاہ شادی، لین دین اور بول چال کا کوئی تعلق نہیں رکھا جائے گا۔قریش کے تمام خاندانوں کے سربراہوں نے اس دستاویز پر دستخط کر کے اس کی توثیق کی۔موسیٰ بن عقبہ کے بیان کے مطابق جب ابوطالب کو معلوم ہوا کہ اہل قریش حضور ﷺ کی جان کے درپے ہیں تو آپ نے دونوں خاندانوں کے افراد جمع کئے اور ان سے کہا کہ آپ سب لوگ شعب ابی طالب میں چلے جائیں اور آخر وقت تک محمد ﷺ کی حفاظت کریں، چنانچہ ابولہب کے سوا بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سارے مسلم اور غیر مسلم اشخاص گھاٹی میں جمع ہو گئے۔

قریش نے اپنی تیار کردہ متفقہ دستاویز نہایت محفوظ طریقے سے حرم شریف میں رکھ دی اور حضور ﷺ کے ساتھیوں کا مقاطعہ یا بائیکاٹ پوری شدت سے شروع کر دیا۔ یہ نا کہ بندی اتنی کڑی تھی کہ کھانے پینے اور ضروریات زندگی کی کوئی چیز باہر سے گھاٹی میں نہ جا سکتی تھی۔ محاصرے کی اس بے پناہ سختی نے محصورین کے لئے نہایت پریشان کن اور ہولناک حالات پیدا کر دیئے۔ اس کا اندازہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے جو ''روض الائف'' میں درج ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آیا۔ میں نے اسے پانی سے دھویا اور آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا۔''

نا کہ بندی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اگر باہر سے مکے میں کوئی تجارتی قافلہ آتا تو قریش کے لوگ خوف کے مارے جلد از جلد ان کا تمام سامان خرید لیتے تا کہ محصورین میں سے کوئی بھی کچھ نہ خرید سکے۔

ابن سعد اور بیہقی کی رویات کے مطابق محصورین کی زبوں حالی اور بے چارگی یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کے بچے بھوک سے روتے اور بلکتے اور ان کے رونے اور چیخنے کی آوازیں شعب ابی طالب سے باہر بھی سنائی دیتیں اور آس پاس کے پڑوسی بے چین اور مضطرب ہو جاتے لیکن کچھ سنگدل اور بدبخت ایسے بھی تھے جو معصوم بچوں کی چیخ و پکار سن کر خوشی کا اظہار کرتے۔

تنگی و عسرت، قید و بند اور فاقہ کشی کا یہ ہولناک دور موسیٰ بن عقبہ کے بیان کے مطابق تین سال جاری رہا۔

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ نے ابتلا و آزمائش کا یہ سخت ترین دور بڑے صبر حوصلے سے گزارا، حق کی راہ میں آنے والی تمام تکلیفیں اور پریشانیاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ مکے کی وہ خوشحال ترین خاتون جو معاشرے میں معزز و محترم ہونے کی وجہ سے ''سیدہ'' کے نام سے مشہور تھیں، اپنے رفیق زندگی کے ساتھ پیکر تسلیم و رضا بنی ہوئی تھیں اور اپنی فطرت اور طبعی بلند حوصلگی سے گرفتاران مصیبت و اذیت کو دلاسا دینے اور ان کا حوصلہ بلند کرنے کی کوشش میں مصروف تھیں۔

آخر کار مظلوموں کی حد سے بڑھی ہوئی مظلومیت اور معصوم بچوں کی دلوں کو ہلا دینے والی بلبلاہٹ اپنا رنگ لا کر رہی۔ قریش کے وہ لوگ جن کے بنو ہاشم اور بنو مطلب سے رشتے داری کے تعلقات تھے، ان کی اس الم انگیز حالت زار پر خون کے آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکے۔ کچھ رحم دل اور انسان دوست افراد اس ظالمانہ معاہدے کو ختم کرنے کے بارے میں اپنی اپنی جگہ سوچنے لگے لیکن اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔ اس کار خیر میں سبقت کی سعادت ہشام بن عمرو العامری کے حصے میں آئی۔ اس نے حضرت ام سلمہ کے بھائی زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، بنو اسد کے سردار عاص بن عاشم اور زمعہ بن الاسود کو اپنا ہمنوا بنایا اور اگلے روز یہ قریش کی مجلس میں گئے۔

زہیر بن امیہ نے اہل مکہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اے اہل مکہ! کیا ہم کھائیں پئیں اور کپڑے پہنیں جبکہ بنی ہاشم ہلاک ہو رہے ہیں۔ ان سے کچھ خریدا جاتا ہے نہ ان کے ہاتھ کچھ فرخت کیا جاتا ہے۔ خدا کی قسم! میں ہرگز نہ بیٹھوں گا جب تک اس ظالمانہ مقاطعے کی دستاویز پھاڑ نہ دی جائے۔''

یہ سن کر ابو جہل چیختے ہوئے بولا تم نے جھوٹ کہا ہے، وہ ہرگز نہیں پھاڑی جائے گی۔ ابو جہل کی مخالفت میں آوازیں بلند ہونے لگیں۔ مجلس میں بحث و مباحثہ شروع ہو گیا۔

عین اس وقت جب شعب ابی طالب سے باہر قریش کی مجلس میں مقاطعے کی یہ دستاویز زیر بحث تھی، ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ ابن سعد، ابن ہشام اور بلاذری نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول ﷺ کو اللہ کی طرف سے اطلاع دی گئی کہ بائیکاٹ کی دستاویز میں ظلم و ستم اور قطع رحمی کا جو مضمون تھا، اسے دیمک چاٹ گئی ہے اور صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ حضور ﷺ نے

اس کا ذکر اپنے چچا ابو طالب سے کیا۔ انہوں نے پوچھا: ''کیا تمہیں اس کی خبر تمہارے خدا نے دی ہے؟'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' حضرت ابو طالب نے اس بات کا ذکر اپنے بھائیوں کے سامنے کیا۔ انہوں نے پوچھا: ''آپ کا کیا خیال ہے؟'' ابو طالب نے کہا: ''خدا کی قسم! محمدؐ نے مجھ سے کبھی کوئی جھوٹ بات نہیں کہی۔'' ابوطالب نے حضور ﷺ سے دریافت کیا اب کیا کرنا چاہئے ......آپؐ نے فرمایا: ''چچا! آپ عمدہ لباس پہن کر سرداران قریش کے پاس چلے جائیں اوران کو یہ بات بتائیں۔''

حضرت ابوطالب اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ اس مجلس میں پہنچے جہاں قریش کے دانا و بینا اس دستاویز کے معاملے پر غور وخوض کر رہے تھے۔ ابو طالب کو آتے دیکھ کر اہل مجلس نے خوشی کا اظہار کیا اور آمد کی وجہ پوچھی۔ ابوطالب نے حاضرین مجلس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''میرے بھتیجے محمد ﷺ نے جس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، مجھے خبر دی ہے کہ مقاطعے کی دستاویز میں جور وستم اور قطع رحمی سے متعلق تمہاری تمام تحریر دیمک چاٹ گئی ہے اور صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ اب تم وہ صحیفہ منگوا کر دیکھ لو۔ اگر میرے بھتیجے کا بیان غلط نکلا تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ پھر تمہیں اختیار ہے چاہے قتل کر دو اور چاہے زندہ رہنے دو لیکن اگر اس کی بات سچ نکلی تو ہمارے ساتھ اس بدسلوکی سے باز آجاؤ۔''

ابوطالب کی یہ بات سن کر حاضرین مجلس نے کہا کہ آپ نے انصاف کی بات ہی ہے۔ دستاویز منگوا کر دیکھی گئی۔ وہی بات سچ نکلی جس کی خبر دی گئی تھی۔ اس پر قریش کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ ندامت اور شرم سے آنکھیں جھک گئیں۔

یہ کہہ کر ابوطالب تو گھاٹی کی طرف لوٹ آئے۔ مجلس میں ابوجہل اور اس جیسے ضدی آدمیوں پر ملامت کی بوچھاڑ شروع ہوگئی اور مقاطعے کے خاتمے کے حامی حضرات اسلحے سے لیس ہو کر شعب ابی طالب کی طرف گئے اور محصورین سے کہا کہ وہ اپنے گھروں میں جا کر آباد ہو جائیں۔ اس طرح ظلم وستم اور جور وتعدی کا یہ تین سالہ طویل دور ختم ہوا۔

محاصرہ شعب ابی طالب کے ختم ہونے سے حضور ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو قدرے سکون کا سانس لینے کا موقع ملا لیکن اس کی مدت بڑی مختصر ثابت ہوئی اور چند ہی روز میں پے در پے،

قلب و روح کو پگھلا دینے والے صدمات کا کوہ گراں آپؐ پر ٹوٹ پڑا۔ یہ صدمات آپؐ کے شفیق، مہربان اور جاں نثار چچا ابوطالب کی رحلت اور آپؐ کی غمگسار، وفا شعار اور آپؐ کے قدموں پر اپنی جان اور مال نثار کر دینے والی رفیقہ حیات حضرت سیدہ خدیجہؓ کی وفات حسرت آیات کی صورت میں پیش آئے۔

مقاطعے کا خاتمہ ہو گیا۔ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کی صحت جواب دے گئی۔ آپؓ سخت بیمار ہوئیں۔ حضور ﷺ نے ان کے علاج معالجے، خبر گیری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی مگر معین وقت آن پہنچا تھا۔ حکیم بن حزام کی روایت کے مطابق جسے علامہ بلاذری نے نقل کیا ہے، امت مسلمہ کی یہ شفیق و رحیم اور عظیم ماں داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے 10 رمضان بعد بعثت اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

سیدہ خدیجہؓ جو فطری طور پر شرافت اور نجابت اور پاکیزگی و طہارت کا مجسمہ تھیں، حضور ﷺ کی 25 سالہ رفاقت نے ان کی خوبیوں اور محاسن کو اتنا مزکی و مصفّٰی کر دیا تھا کہ ان کی روشنی اور درخشندہ سیرت قیامت تک پوری نوع انسانی کے لئے روشنی کا منارہ بن گئیں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ نے عمر بھر مہر و اخلاص، محبت و مروت، پاک نفسی اور قوت ایمانی سے حضور ﷺ کی بھرپور حمایت کی۔ مشکلات و آلام کا جب ہجوم ہوتا تو یہ خدیجہؓ ہی تھیں جو آپ ﷺ کو تسلی دیتی رہتیں۔ جب کبھی آنحضرت ﷺ کی طبیعت میں اضطراب اور بے چینی کی کیفیت طاری ہوتی تو سیدہ خدیجہؓ محبت و خلوص میں ڈوبی ہوئی باتوں سے آپ ﷺ کا غم غلط کرتی رہتیں۔ مرحومہؓ کی شخصیت آپ ﷺ کے لئے بہت کچھ تھی۔ سیدہ خدیجہؓ کی رفاقت اور قلبی تعلق اہم اور بڑے بڑے معاملات میں آپؐ کو ثابت قدم رکھتا۔ جب حضور ﷺ ان کے محبت و ایمان کے نور سے چمکتے اور دمکتے چہرے پر نظر ڈالتے تو آپؐ کا دل شیر ہو جاتا۔ آخر کار اخلاص و وفا کی پیکر اس رفیقہ حیات نے آپؐ کو داغ مفارقت دے دیا۔

گھر سے باہر حضرت ابوطالب کی حمایت و اعانت اور گھر میں سیدہ مرحومہ کی غمگسارانہ رفاقت سے محرومی کے بعد آپؐ کے دعوتی کاموں کی راہ میں کتنی مشکلات اور ناقابل عبور رکاوٹیں حائل ہوئیں، اس کا تصور دل کو لرزا دینے اور ذہن کو ماؤف کر دینے کے لئے کافی ہے۔ آپؐ اللہ

کے رسولؐ تھے۔ اللہ کی حفاظت اور اس کی تائید آپؐ کے شامل حال تھی، اس لئے تحریک اسلامی کا یہ پرعزیمت کارواں آگے ہی بڑھتا رہا۔

سیدہ خدیجہؓ کی سیرت کا سب سے نمایاں اور اہم پہلو آپؓ کی وہ صفت ہے جسے ''فنائیت'' کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ آپؓ نے اللہ اور اس کے محبوب رسولؐ کی محبت میں اپنی ذات پوری طرح فنا کر دی تھی۔ آپؓ مکے کی سب سے زیادہ دولت مند اور بااثر خاتون تھیں لیکن شادی کے بعد آپؓ نے اپنی بے پناہ دولت اپنے عظیم ترین شوہر ﷺ پر نچھاور کر دی۔

سیدہ خدیجہؓ کی زندگی کے آخری سات سال نہایت نامساعد حالت میں گزرے۔ کاروبار کو وسعت اور ترقی دینا تو دور وہاں تو مخالفتوں اور مزاحمتوں کا طوفان اتنی شدت سے اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ اس میں اپنا وجود ہی قائم رکھنا سخت مشکل تھا۔

سیدہ موصوفہ نے اپنی دولت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر بڑی فراخدلی سے صرف کی۔

اللہ کا دین قبول کرنے والوں کی اعانت ونصرت کے لئے سیدہؓ کے خزانوں کے منہ ہر وقت کھلے رہتے۔ اسی ایثار اور فراخدانہ سخاوت کا نتیجہ نکلا کہ ان کی وفات کے بعد جب رسول اللہ ﷺ اہل مکہ کی ضد اور ہٹ دھرمی سے مایوس ہو کر توحید کا پیغام حق پہنچانے کے لئے طائف تشریف لے گئے تو آپؐ نے یہ طویل سفر اپنے خادم زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ پیدل طے کیا۔ آپؐ کی اقتصادی حالت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ اس سفر کے لئے آپؐ کے پاس کوئی سواری نہ تھی۔

سیدہ خدیجہؓ کی اس پرخلوص فنائیت اور فدائیت نے انہیں اللہ کے ہاں محبوبیت ومقبولیت کے نہایت ارفع مقام پر فائز کر دیا تھا۔ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے جس کا مضمون درج ذیل ہے:

''جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ خدیجہؓ ابھی ابھی ایک برتن میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر آپؐ کے پاس آئیں گی۔ آپؐ ان سے رب العالمین کا سلام کہہ دیجئے اور میرا سلام بھی ان کی خدمت میں پہنچا دیجئے۔ انہیں جنت کے ایک ایسے محل کی بشارت بھی دیجئے جو خالص مروارید سے تیار کیا ہوا ہوگا اور اس میں کسی قسم کا رنج والم نہ ہوگا۔''

حضور ﷺ کے ساتھ شادی کے وقت سیدہؓ چالیس برس کی بیوہ تھیں لیکن ان کی پسندیدہ شخصیت وسیرت، ان کے وفادارانہ طرزِ عمل اور ان کی دلنشیں عادات واطوار نے حضور ﷺ کے دل میں محبت وانسیت اور دبستگی ووابستگی کا ایک ایسا لطیف اور گہرا نقش ثبت کر دیا تھا کہ آپؐ نے ان کی موجودگی میں پوری ربع صدی تک کسی اور خاتون سے نکاح کا خیال تک نہ کیا، حالانکہ اس وقت کے معاشرے میں یہ بات بیوی کے لئے وجہ شکایت تھی نہ اس کے خاندان والوں کے لئے۔

سیدہؓ کی وفات کے بعد بھی ان کی یاد اور ان کی محبت کا یہ لافانی سلسلہ بدستور قائم رہا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کی رحلت کے بعد بڑی مدت تک حضور ﷺ کا یہ معمول رہا کہ گھر سے باہر جانے سے پہلے آپؐ سیدہ مرحومہ کا ذکر نہایت اچھے الفاظ میں کرتے۔ اسی طرح گھر میں تشریف لانے کے بعد بھی ان کی تعریف اور تحسین فرماتے۔ اسی طرح ایک دن آپؐ نے سیدہؓ کا ذکر کیا اور ان کی خوب تعریف کی۔ اس پر مجھے رشک آیا اور میں نے کہا:

یارسول اللہ ﷺ! وہ ایک بڑھیا اور بیوہ خاتون تھیں۔ اللہ نے ان کے بعد ان سے بہتر بیوی آپؐ کو عطا فرمادی۔''

یہ سن کر حضور ﷺ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! مجھے خدیجہؓ سے اچھی بیوی نہیں ملی۔ وہ ایمان لائیں جب سب لوگ کافر تھے۔ انہوں نے میری تصدیق کی جب سب نے مجھے جھٹلایا۔ انہوں نے اپنا زرومال مجھ پر قربان کیا جب دوسروں نے مجھے محروم رکھا۔ اللہ نے ان کے بطن سے مجھے اولاد دی۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی یہ کیفیت دیکھ کر میں ڈر گئی اور عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! آئندہ میں خدیجہؓ کے متعلق کبھی ایسی ویسی بات نہیں کہوں گی۔''

سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ اسی والہانہ لگاؤ اور نسبت کی وجہ سے آپؐ ان کے رشتے داروں اور ان کی سہیلیوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے، چنانچہ جب بھی قربانی کرتے تو سب سے پہلے سیدہؓ کی سہیلیوں کو گوشت بھجواتے اور بعد میں کسی اور کو دیتے۔

علامہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت حضور ﷺ سے ملنے آئی۔ آپؐ نے حسن اخلاق کے ساتھ بڑی نرمی سے پوچھا:

''ہمارے بعد تمہارا کیا حال رہا؟''

جب وہ چلی گئی تو حضرت عائشہؓ نے عرض کی: ''یہ بڑھیا کون تھی؟''

آپؐ نے فرمایا: ''یہ خدیجہؓ کی سہیلی حسانہ تھی جسے خدیجہؓ سے محبت تھی۔''

صحیح بخاری میں ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''ایک مرتبہ سیدہ خدیجہؓ کی بہن ہالہ بنت خویلد آئیں اور انہوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضور ﷺ ان کی آواز سن کر تڑپ گئے اور فرمانے لگے: ''خدایا، یہ ہالہ ہوں۔'' کیونکہ ان کی آواز سیدہ خدیجہؓ کی آواز سے مشابہہ محسوس ہوتی تھی۔

ابن سعد نے اپنی طبقات میں بیان کیا ہے کہ بدر کے قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی تھے۔ قیدیوں کے دوسرے رشتہ داروں کی طرح حضرت زینبؓ نے بھی اپنے شوہر کی رہائی کے لئے زرفدیہ بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو سیدہ خدیجہؓ نے اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر جہیز میں دیا تھا۔

اس ہار کو دیکھ کر حضور ﷺ پر رقت طاری ہوگئی اور آنکھیں اشکبار۔ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا:

''بہتر ہے زینبؓ کا قیدی فدیے کے بغیر ہی چھوڑ دیا جائے۔''

صحابہ کرامؓ نے جو اپنے آقا و مولاؐ کی ہر خواہش کا احترام اور ان کے ہر ارشاد کی تعمیل کو باعث سعادت سمجھتے تھے، ابوالعاص کو کسی فدیے کے بغیر صرف اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ مکے جا کر حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے۔

مومنوں کی ماں سیدہ طاہرہ خدیجہؓ کے کردار کا ایک نمایاں جوہر ان کی بلند ہمتی اور عالی حوصلگی تھی۔ ان کی سیرت کے اس بلند اور باوقار وصف نے ان میں ہمت و جرأت اور عزیمت و استقامت کی بے پناہ قوت اور ناقابل تسخیر طاقت پیدا کر دی تھی۔ آپؓ نے

مصیبت و پریشانی اور ابتلا و آزمائش کے سخت سے سخت دور میں صبر و ثبات کا خود بھی ثبوت دیا اور اپنے رفیق زندگی سرور کونین ﷺ کا بھی حوصلہ بڑھا کر حق رفاقت ادا کیا۔ اس کی شہادت جناب رسالت مآب ﷺ کی زبان مبارک سے سنیے:

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

''میں جب کفار سے کوئی بات سنتا اور وہ مجھے ناگوار معلوم ہوتی تو میں خدیجہؓ سے کہتا۔ وہ میری ڈھارس اس طرح بندھاتیں کہ میرے دل کو تسکین ہو جاتی اور کوئی رنج ایسا نہ تھا جو خدیجہؓ کی باتوں سے آسان اور ہلکا نہ ہو جاتا۔''

سیدہ خدیجہؓ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ ان کی قوتوں اور صلاحیتوں اور ان کے اطوار و عادات میں حد درجہ اعتدال اور حسین توازن اپنے درجہ کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی اولاد کی پرورش اور تربیت اس حکیمانہ فراست و تدبر سے کی کہ وہ پوری امت کی بیٹیوں کی طرف سے خراج عقیدت اور سلام ارادت کی مستحق بن گئیں۔

اپنی اولاد کے علاوہ زیر تربیت افراد کے ساتھ بھی شفقت و محبت کا وہ سلوک روا رکھا جس سے سیدہ خدیجہؓ کی ذات کا احترام اور ان کے مسلک و مشن سے والہانہ لگاؤ ان کی زندگی کا نصب العین بن گیا۔ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدنا زیدؓ بن حارثہ سیدہ موصوفہؓ کے زیر تربیت رہے، ان دونوں ہستیوں نے اسلام کی سربلندی میں وہ کارنامے انجام دیئے جو اسلامی تاریخ کا ایک زریں باب بن گئے۔

سیدہ خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے تین بیٹے تھے...... ہالہ، طاہر اور ہند۔ یہ سیدہؓ کے حسن تربیت کا نتیجہ تھا کہ یہ تینوں بھائی حلقہ اسلام میں داخل ہو کر شرف صحابیت سے مشرف ہوئے۔ ہندؓ جن کی اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت و عشق و فریفتگی کی بلند ترین منزل پر پہنچ چکی تھی، نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحتیں بڑے سلیقے سے اللہ کے محبوب ﷺ کی تعریف و توصیف میں استعمال کیں۔ ہندؓ کے بیان کردہ شمائل نبوی سیرت کا نہایت

قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان کے ایک ایک لفظ سے فصاحت و بلاغت کی خوبیوں کے ساتھ محبت و شیفتگی کے لطیف اور منور جذبات چھلکتے صاف نظر آتے ہیں۔ انسانی تاریخ میں سوتیلے باپ کے ساتھ والہانہ فریفتگی اور دلبستگی کی ایسی مثالیں کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہ ثمرہ تھا سیدہؓ کی متوازن اور مؤثر شخصیت کا۔

تمام قدیم سیرت نگار مثلاً ابن اسحاق، ابن ہشام، طبری، ابن سعد، کلبی، ابن عبدالبر اور علامہ ابن حزم اس پر امر پر متفق ہیں کہ سیدہ خدیجہؓ کے بطن سے رسول ﷺ کی اولاد میں دو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں جن کے نام درج ذیل ہیں۔

1۔قاسم، 2۔زینبؓ، 3۔رقیہؓ، 4۔ام کلثومؓ، 5 فاطمہؓ، 6۔عبداللہ۔

اس سلسلے میں قرآن مجید کا بیان درج ذیل ہے:

"اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہو۔ (سورہ احزاب، آیت: 59)

قرآن پاک کی یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ حضور ﷺ کی ایک بیٹی نہیں بلکہ دو سے زیادہ تھیں، کیونکہ عربی زبان میں دو کے لئے تثنیہ کا صیغہ موجود ہے اور قرآن نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

ہجرت کے وقت جو جسمانی صدمہ سیدہؓ کو برداشت کرنا پڑا تھا اس کے اثرات جان لیوا ثابت ہوئے اور 8ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ جس وقت سیدہؓ کی میت قبر میں اتاری گئی تو حضور ﷺ قبر کے پاس تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔

(ختم شد)

❁❁❁

القرآن

- تم اپنی عاقبت کے لیے جو بھلائی کما کر آگے بھیجو
گے، اللہ کے ہاں اسے موجود*پ ؤ گے، جو کچھ تم
کرتے ہو وہ & اللہ کی Ã میں ہے۔ (البقرہ)

- جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جا N انہیں مردہ نہ
کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں ز+ ہ ہیں 1 تمہیں ان
کی ز+ گی کا شعور نہیں ہو* ۔ (البقرہ)

- & مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور
تفرقہ میں نہ پڑو ۔ (آل عمران)

- جو لوگ یتیموں کے مال کھاتے ہیں درحقیقت وہ
اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی
بھڑکتی ہوئی آگ میں جھو ê جا N گے۔